ڈاکٹر عمران اختر

شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، خانیوال

خطہ ملتان کی لسانی فضا میں علاقائی بولیوں کا کردار۔۔۔۔ عمرانی لسانیاتی جائزہ

Dr. Imran Akhtar

Urdu Department, Government Post Graduate College, Khanewal.

The Role of Regional Boli's in the Linguistic Environment in Area of Multan Anthropological Linguistic Analysis

It is a sociolinguistic survey to know about the influence of different regional languages on the local verities of the dialects,especially on Haryanvi, Saraki / Multani, Punjabi,Urdu and its Subdialects. This paper investigates and emphasis on the current language of this historical city Multan and its regional dialects. It also overview the social and cultural bindings to Haryanvi, Punjabi and Siraiki's different accents.Whereas this research paper investigates the geographical and linguistic background of different regional dialects in Multan and traces the emergence of new regional varieties of these languages with local dialects.

ملتان دنیا کی نمائندہ تہذیبوں میں شمار ہونے والا ایک زندہ شہر ہے۔ یہ خطہ زمانہ قدیم سے ہی علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ یہ شہر اپنی قدامت کے ساتھ ساتھ جغرافیائی، سیاسی، تہذیبی، سماجی اور علمی و ادبی حوالوں سے بھی وادی سندھ میں نمائندگی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطہ میں لسانی اور ثقافتی حوالے بھی بے حد جاندار ہیں جبکہ اس شہر میں تہذیبی زندگی کے اثرات چالیس سے لے کر چار سو چودہ شہروں اور قصبوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ یحییٰ امجد نے اس خطے میں آباد قدیم ترین نسلوں کی نشاندہی کچھ یوں کی ہے:۔

''اب تک برصغیر پاک و ہند کا جو نسلیاتی مطالعہ ماہرین نے کیا ہے اس کے مطابق یہاں چھ نسلوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ قدیم ترین نسل نیگرو تھی جو باہر سے آئی تھی۔ اس کے بعد کیشیائی نسل اس سرزمین پر آئی، ان کے بعد منگول نسل یہاں وارد ہوئی اور پھر رومی نسل لوگ۔۔۔ ان پانچ نسلوں کے بعد آریا آئے''(۱)

برصغیر میں لسانی تشکیل کے عمل میں مستشرقین کی آمد بھی محرکات میں سے ایک ہے۔ اس خطے میں اُن کی آمد بطور مذہبی اکابرین، تجارتی سرگرمیوں اور کسی حد تک سیاسی نوعیت کے مقاصد لیے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ قیاس کی صورت میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ عیسائی مبلغین یورپی علاقوں سے مذہبی تعلیمات کے فروغ کے بعد سولہویں صدی عیسوی میں ایران کے راستے سے اس خطے میں داخل ہوئے۔ اِن مبلغین نے یہاں کے مقامی باشندوں سے میل ملاپ کو پروان چڑھانے کے لیے باقاعدہ طور پر یہاں کی زبان سیکھنا شروع کی اور یہاں کی تہذیبی و سماجی زندگی میں لسانی تشکیل کا باضابطہ آغاز کیا۔ بعدازاں اِن مستشرقین نے یہاں مقامی زبانوں کی لغات اور زبان و قواعد پر بھی بہت کام کیا۔ پروفیسر خلیل صدیقی اِن مستشرقین کے تجارتی مقاصد کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

''پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پرتگالی مہم جو' واسکوڈے گاما' ہندوستان کے ساحل پر پہنچا اور پرتگالی مقبوضات بڑھنے لگیں۔ اس کے بعد ڈچ، فرانسیسی اور برطانوی تجارتی کمپنیوں نے اس طرف کا رخ کیا''(۲)

خطہ ملتان کی قدامت کا پہلا دستاویزی ثبوت سر الیگزنڈر لنگھم کی زیرنگرانی کھدائی کے دوران میں سامنے آیا۔ کھدائی کے دوران ملنے والے مٹی کے برتنوں، تانبے کے سکوں اور اینٹوں پر کندہ تحریروں کے مطالعہ اور تجزیے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ یہ خطہ ۸۰۰ قبل مسیح میں بھی ایک تہذیب یافتہ شہر کے طور پر موجود تھا۔ اس خطے کی ثقافتی اور لسانی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ مسلم فاتحین نے بھی اسی خطے کی مرکزیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر بے شمار حملے کیے۔ ان میں سے دو حملے ایسے ہیں کہ جنہوں نے لسانی طور پر اس خطے کے خدوخال پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ پہلے حملے میں محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتے ہوئے چھ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ اس علاقے پر حملہ آور ہوا اور اس نے ملتان سمیت بہت سے علاقے بھی فتح کر لیے۔ بعدازاں ۱۱۷۵ء میں غوریوں نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اس خطہ کو فتح کرنے کے بعد 'اُچ' کے مقام تک پہنچے۔

خطہ ملتان زمانہ قدیم سے ہی علم و ادب کا مرکز رہا ہے جبکہ اس خطہ کی ثقافتی و لسانی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ سیاسی طور پر یہ شہر انگریزوں سمیت بہت سے مسلم فاتحین کی توجہ کا مرکز بھی رہا ہے۔ برطانوی دورِ حکومت میں بھی یہ شہر بہت بڑی فوجی چھاونی کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ اس خطہ کی لسانی زمین بے شمار ذیلی بولیوں اور زبانوں سے خاصی زرخیز نظر آتی ہے۔ یہ شہر اپنی قدامت سمیت جغرافیائی، سیاسی، تہذیبی، سماجی اور علمی و ادبی حوالوں سے بھی وادی سندھ میں نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس شہر کی قدامت اور تاریخی اہمیت کے باب میں علی ہجویریؒ المعروف حضرت داتا گنج بخش نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:۔

''میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں اور میں ملک ہندوستان کے ایک گاؤں لہانور میں ہوں جو کہ ملتان کے گردونواح میں واقع ہے''(۳)

وادی سندھ کی اہم ترین دریائی گزرگاہ پر واقع یہ خطہ عراق، ایران اور انگریزی اقوام کے لیے بھی اہم تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ سکندرِ یونان نے ۳۲۷ء قبل مسیح میں جب اس پر حملہ کیا تب بھی ملوئی قوم کے اس علاقے میں قلعہ اور فصیل کے باقاعدہ آثار موجود تھے۔ یہ خطہ قدیم دریائے راوی کے دو بڑے جزیروں (تودوں) پر واقع تھا اور دونوں جزیروں کی اونچائی تقریباً ۱۵۰ فٹ جبکہ دریائے چناب کا بایاں کنارہ شہر ملتان سے ۶ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اِن دونوں جزیروں کے درمیان میں بازار واقع تھا جبکہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کے لیے شہر کے چاروں طرف فصیل اور دروازے بھی لگائے گئے تھے۔ اس کے قدیمی باشندے 'سیاہ النسل' تھے۔ اس خطہ ملتان کو ہزاروں سال کے اِس تاریخی پس منظر میں کبھی کس پیپورس، بھاگ پورہ، سمب پورہ، ہنس پورہ، مول استھان، مالستھان پورہ، مولتارن، میلولسان اور کبھی مولتان کے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا ہے۔ اس خطہ کی تاریخی اہمیت کے حوالے سے ابنِ حنیف لکھتے ہیں کہ:

''ملتان سے عراق کے بحری راستوں کا تحریری ثبوت عراق کے سامی النسل عکادی بادشاہ شتروکن کے اُن کتبوں سے ملا ہے جو عکاد (وسطی عراق) کے پُرانے مقامات کی کھدائی سے دستیاب ہوئے ہیں۔'' (۴)

اس خطہ کی تہذیبی برتری جہاں اس کی مذہبی اقدار وروایات کے سبب سے ہے وہیں اس کی تہذیبی قدامت بابل، موہنجوداڑو، اور ہڑپہ جیسی قدیم تہذیبوں سے مشابہت کے باعث بھی ہے۔ اس خطہ کو یہ برتری اور اعزاز اس کی لسانی ماحول میں تنوع کے باعث ملا۔ اس خطہ کے لسانی ماحول میں تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہزاروں سال پرانے اس تاریخی شہر میں عربی، سندھی، فارسی، بلوچی، ہریانی زبانوں سمیت اس خطہ کی مقامی بولیاں بھی اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ ان مقامی بولیوں میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بے شمار لسانی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں وہیں بہت سے زبانیں اور کئی مقامی بولیاں معدوم بھی ہوئیں۔ اس خطہ کی پہلی بولی یا زبان کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم 'منڈاری' قبیلے کے لوگ جو سیاہ النسل تھے اور منڈاری زبان بولتے تھے اس خطہ کے 'قدیمی باشندے' کہلاتے ہیں۔ یہ خطہ چونکہ دریائی گزرگاہ پر واقع تھا لہذا بہت سے حملہ آور قبائل نے اس علاقہ کا رخ کیا اور یہاں کے مقامی قبائل پر اُن کی جانب سے بے شمار حملوں کے آثار بھی ملے ہیں۔ ان حملہ آوروں نے یہاں کے مقامی قبائل کے ساتھ باہمی میل جول اور رسوم وروابط کو پروان چڑھانے کے لیے نہ صرف اُن کی مقامی بولی میں بات کرنا شروع کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنی زبان یا بولی کے سبب بھی اس خطہ میں لسانی آبیاری کی۔ دُنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کے آثار ومساکن کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ تمام تر تہذیبیں دریاؤں کے کنارے یا وادیوں میں ہی پروان چڑھیں۔ مغل دورِ حکومت میں بھی اس خطہ کی اہمیت تاریخی رہی ہے:

''اکبر کے زمانے میں صوبہ ملتان دہلی کے ماتحت تھا۔ صوبہ ملتان کی حدود کیچ مکران سے ملتی تھی اور اس کی لمبائی کیچ تک ۶۶۰ کوس تھی۔ اس وقت مشرق کی جانب سرکار بند، مغرب کو کیچ مکران، شمال کی طرف پرگنہ

کوہستان تک جبکہ جنوب میں اجمیر تک صوبہ ملتان پھیلا ہوا تھا۔'' (۵)

خطہ ملتان میں تہذیبی زندگی کے قدیمی آثار بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ فاتح اور مفتوح کے درمیان لسانی لڑائی میں غالب کی زبان مغلوب کی بولی یا زبان کو بری طرح متاثر کرنے کا سبب بنتی ہے اور یہ بھی کہ اشرافیہ کی زبان ہمیشہ اکثریتی زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ:

''فاتح و مفتوح جب تہذیبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی و لسانی سطح پر ایک دوسرے سے ملے تو ایک بیچ میل قسم کی زبان اپنے خدوخال اُجاگر کرنے لگی تھی جس میں سامی، ایرانی، تورانی اور دوسری بولیوں نے مل جُل کر لسانی کھچڑی پکانے کا عمل کیا تھا'' (۶)

خطہ ملتان میں سیاحوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں کی تہذیبی اور لسانی زندگی کے آثار اُنہیں کی زبانی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس خطہ کا لسانی ماحول، تہذیبی قدامت اور مذہبی اقدار و روایات ایک منفرد حوالہ ہے جس کو عصر حاضر میں بھی اہل قلم اپنی تحقیق میں جگہ دیتے ہیں۔ خطہ ملتان کے لسانی ماحول میں جہاں عربی، فارسی، سندھی، پشاچی، وارچڈ، مکرانی، ہریانی اور منڈاری زبانوں کے الفاظ کی آمیزش جا بجا دکھائی دیتی ہے وہیں اس خطہ کی مقامی چھوٹی چھوٹی بولیاں اور اُن کے بولنے والے قبائل اور خاندان بھی یہاں کی لسانی تشکیل میں برابر کے شریک ہیں۔ اس ضمن میں یہ اقتباس ایک بنیادی حوالہ ہے:

''گویا سیاحوں کی آمد کے وقت یہ تینوں (فارسی، عربی، سندھی) زبانیں یہاں سمجھی اور بولی جاتی تھیں لیکن ظاہر ہے کہ ان سیاحوں کا تعلق چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے ہے۔۔۔۔۔ گویا مسلمانوں کی سندھ اور ملتان آمد سے پہلے ملتان کی زبان ایک ملی جلی زبان تھی جس میں پشاچی اور وارچڈ اپ بھرنش کے اثرات موجود تھے۔'' (۷)

تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ جہاں یہ علاقہ حملہ آوروں کے سبب لسانی تبدیلی کا پیش خیمہ بنا وہیں مقامی قبائل، چھوٹے چھوٹے خاندانوں اور گروہوں کو بھی اپنی زبان یا بولی کو شائستہ کرنے کا بھرپور موقع ملا جو قرب و جوار کے علاقوں سے ترک ہجرت کر کے یہاں خوراک، سایہ اور پانی کے فراوانی کے باعث سکونت پذیر ہوئے تھے۔ لہذا اس خطہ اور خصوصاً وادی سندھ کے اس میدانی علاقے میں تہذیبی، سماجی اور لسانی اختلاط نے یہاں کی مقامی زبان میں باہر سے آنیوالی مختلف زبانوں اور مقامی بولیوں کے بھی بہت سے الفاظ اپنے اندر سمو لیے اور یوں ایک نیا لسانی ماحول اس سرزمین پر اپنے تہذیبی نقش ثبت کرتا گیا۔ زبان جو زندگی کی علامت اور مستقل ارتقاء پذیر ہے، اس میں لسانی اظہار کی قوت اور ابلاغ کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ زبان اپنے ہیتی ڈھانچے اور دیگر لسانی اکائیوں سے مسلسل اختلاط کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس خطہ نے اپنے منفرد اور مخصوص طرز تمدن اور رہن سہن کے سبب ایک مخلوط تہذیب کو متعارف کرایا جو قریباً تمام برصغیر میں ایک جداگانہ اور زندہ تہذیبی تشخص رکھتی ہے۔ اس خطہ کی سیاسی اور معاشی اہمیت بھی ابتدا سے ہی رہی ہے۔ دریائی راستے پر واقع ہونے کے سبب یہاں تجارتی قافلوں کی آمد بھی بعید از قیاس نہیں ہے جبکہ دوسرا سبب مذہبی حوالہ بھی ہے۔ چونکہ یہ خطہ کبھی عیسائیوں، کبھی ہندوؤں اور کبھی بدھ مت کے لیے مذہبی احیاء کی مقدس

آماجگاہ رہا ہے لہذا اس سبب سے یہاں پر مقامی اور خارجی بولیوں کا اختلاط ایک فطری عمل ہے۔ زبان سے ایک نئی زبان یا بولی کا وجود میں آنا بعید از قیاس نہیں ہے مگر لسانی اختلاط کے بھی چند قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ تہذیب وثقافت کے ارتقاء میں افراد واقوام کے اختلاط وارتباط کا عمل بھی اس خطے میں صدیوں سے جاری وساری ہے اور اشتراک وانجذاب کا یہ سارا عمل شعوری کوشش کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے اور غیر شعوری کا بھی۔ اس لسانی زرخیزی کی بازگشت صرف اتنی ہے کہ:

''زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی اسے ایجاد کرسکتا ہے۔ جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن وہی ننھا سا پودا ایک تناور درخت ہو جاتا ہے، اسی اصول کے تحت زبان پیدا ہوتی، بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے۔''(۸)

تاہم زبان کی پیدائش وارتقاء میں چند عوامل بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے تجارتی مقاصد، سیاحت، مذہبی اکابرین، فاتح ومفتوح کا باہمی تعلق اور تہذیب وثقافت کی برتری وعظمت وغیرہ۔ زبان چونکہ کسی بھی شخص، قوم اور ذی روح کے لیے اس کے دل و دماغ کی اہتزازی کیفیات کی آئینہ دار ہوتی ہے اسی لیے اس کو اظہار وابلاغ کے لیے چند ایک صوتی، سمعی، بصری قوانین سے سابقہ پڑتا ہے۔ تاہم تفاوت، تفاخر اور عدم تحفظ جیسے احساسات ہر علاقے یا افراد کے ذہنوں میں موجود ہوتے ہیں۔ علاقائی بولیاں اور زبان نئی نئی زبانوں اور لہجوں کی بازیافت میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ تاہم زبان کی نشوونما کے عوامل میں یہ بات بھی اہم ہے کہ:

''علاقائی زبانوں کو قومی زبان کے بالمقابل نہیں لانا چاہیے اور نہ اس سے مقدم اور برتر خیال کرنا چاہیے جیسا کہ آج کل بعض لوگوں میں رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ درحقیقت علاقائی زبانوں کو قومی زبانوں کا معاون بنانے کی ضرورت ہے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے دریا بڑے دریا میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ لسانی وحدت کا بہترین ذریعہ ہے۔''(۹)

زبان کی اولین شکل امری ہے۔ یہ ایک سماجی عمل ہے جو انسانی رویوں کے نتیجے میں پروان چڑھتا ہے۔ زبان کے ارتقاء میں شعوری یا غیر شعوری تغیر وتبدل اور اشتراک وانجذاب کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ وہ زبان جو اپنے ابلاغ کا جواز فراہم نہ کر سکے زیادہ زرخیزی کا سامان مہیا نہیں کرسکتی۔ ایک زبان یا بولی کا دوسری سے باہم اشتراک اس کی صوتی یا معنوی حالت کا اظہار ہے۔ زبان کے اغراض ومقاصد اپنی جگہ تاہم زبان کسی سائنسی فارمولے کی طرح دائمی نہیں ہوتی بلکہ زبان میں تغیر وتبدل اس کے لیے حیات کی علامت ہے:

''ہم ایک زبان کو کسی ایسے گز سے نہیں ناپ سکتے جو دوسری زبانوں سے مستعار لیا گیا ہو۔ اگر کوئی قبیلہ اپنی زبان میں اتنے الفاظ نہیں رکھتا جتنے انگریزی میں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انگریزی سے زیادہ

قدیم یا غیر مہذب زبان ہے۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس زبان میں زیادہ الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔وہ اپنی ذاتی مقاصد کے لیے کافی الفاظ رکھتی ہے۔''(۱۰)

زبان کی شکل وشباہت بھی وقت کی طرح مسلسل تغیر کا شکار ہے۔زبانوں کے مابین شکست وریخت کے اسباب و علامات ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تاہم ہر زبان اپنے فطری رجحان پر سفر کرتی ہے۔زبان کا فطری رجحان پر سفر کرنا محال ہے۔یہ اپنی ہیت اور لسانی ڈھانچے کے سبب اپنے خط وخال کو وضع کرنے کے لیے دیگر ہم عصر زبانوں کے ساتھ مشترکہ لسانی ماحول پیدا کرنے کے لیے مصروفِ عمل رہتی ہے۔ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں کہ:

''زبان کی ساخت، اُس کا ڈھانچہ، کینڈا یا ڈول ہے جو زبان کو دوسری ہم عصر زبانوں سے ممتاز کرتا ہے۔زبان اپنی ماہیت، امتیازی خط وخال، خصائص واحوال سے پہچانی جاتی ہے۔اس لیے زبان کے خط وخال اور امتیازی صفات کو زبان کی ساخت کہا جائے گا۔سرشت زبان کی سیرت اور اس کا فطری رجحان ہے۔''(۱۱)

زبان، شعور انسانی اور ادب ایک ایسی تکون ہے جہاں لسانی مظہریات کی عکاسی ہوتی ہے۔علاقائی زبان، تحتی بولی اور ایک مربوط زبان باہم مل کر ایک مکمل نئے نظام کی جانب اشارہ کرتی ہیں اور یہی سفر جزو سے کُل کی جانب کا ہے۔علاقائی زبان کب شسد راور ادبی کہلائے گی اس کے لیے کوئی خاص پیمانہ یا معین وقت نہیں ہوتا۔تاہم چند ایک محرکات کو ضرور نظر میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے:

''زبان کی لسانیاتی سطح سے قطع نظر اس کی ایک سطح وہ ہوتی ہے جو اس کی ادبی سطح کہلاتی ہے۔ادبی سطح پر بھی زبان کی جڑیں سماج اور تہذیب میں بہت گہری پیوست ہوتی ہیں۔سماج کی ہر دھڑکن اور تہذیب کی ہر کروٹ زبان کے وسیلے سے ادب میں منعکس ہوتی ہے۔گویا زبان وادب سماج اور تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔''(۱۲)

خطہ ملتان چونکہ اپنے اندر بے شمار تہذیبی روایات کو سموئے ہوئے ہے لہذا یہاں کی بسنے والی مقامی آبادیوں اور مقامی بولیوں میں خطِ امتیاز قائم کرنا اس قدر آسان نہیں ہے۔جب متنوع سماج اور قبائل کے لوگ کسی مشترکہ تہذیبی ورثہ کو جنم دیتے ہیں تو وہاں تنوع کی صورت بہر حال موجود رہتی ہے اور تہذیب بھی اسی طرح قدیم اور گندھی ہوئی بولیوں کی آمیزش سے ترتیب پاتی ہے:

''زبان میں تغیر ہونا فطری امر ہے۔مختلف علاقوں میں یہ تغیر جب وسیع اور پرانا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ ایک ہی زبان کی دو بولیاں جداگانہ زبانیں بن جاتی ہیں۔نئی نئی زبانیں جس طرح وجود میں آتی ہیں اسی طرح پرانی زبانیں مٹتی بھی جاتی ہیں۔''(۱۳)

اردو کی علاقائی بولیوں میں شمال مشرقی ومغربی ہندوستان کی بولیاں بھی اس زبان کی لسانی آبیاری میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔وہ علاقے جو ان مقامی بولیوں کے باہم اختلاط وانجذاب کو متناسب لسانی ماحول بہم پہنچاتے ہیں ان میں ہندوستان اور

وادی سندھ کے اکثر علاقوں سمیت خطہ ملتان بھی ایک منفرد تہذیب و زرخیز لسانی پس منظر رکھتا ہے۔ان مقامی بولیوں اور بیرون کی علاقائی بولیوں نے چاہے اردو کی لسانی تشکیل میں اپنا کوئی کردار ادا نہ بھی کیا ہو تب بھی یہ علاقائی اور تحتی بولیاں اپنا ایک الگ اور منفرد لسانی تشخص رکھتی ہیں۔

خطۂ ملتان میں 'ملتانی زبان' اکثریتی زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ملتانی قدیمی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ جنوبی ایشیاء کے قدیم ترین شہر میں مختلف لہجوں کے ساتھ بولے جانیوالی سب سے بڑی مقامی بولی ہے۔اس زبان کی تاریخ 'منڈاری قبائل' سے شروع ہو کر دراوڑ، آریہ، سائرس اور کلہوڑہ سمیت بھیلی تھال، گونڈ اور سوریاؤں تک پھیلی ہوئی ہے۔اکبر اعظم کے زمانہ میں چونکہ 'خطہ ملتان' صوبے کا درجہ رکھتا تھا لہٰذا اس خطہ میں سندھ کا اکثر علاقہ شامل تھا۔عربوں کی آمد سے قبل اس خطہ میں وارچڈاپ بھرنش بولی جاتی تھی بعدازاں عربوں کے آنے کے بعد عربی، سندھی اور فارسی کے اختلاط سے مقامی زبان زبان 'ملتانی' کونکھرنے کا خوب موقع ملا اور صوبہ میں اشرافیہ کی زبان ہونے کی وجہ سے علاقائی نسبت سے اس کا نام 'ملتانی' پڑ گیا بعدازاں ۱۱۱ھجری میں سیاسی انحطاط کے نتیجے میں وادیٔ سندھ کو ۲ حصوں زیریں اور بالائی سندھ میں تقسیم کر دیا گیا لہٰذا بالائی سندھ کی زبان کو سرو کی یعنی 'سر' اوپر والا حصہ کی زبان جبکہ اس سرِ کو سندھ میں سردار بھی کہا جاتا ہے یعنی سرداروں کی زبان کہا جانے لگا۔ڈاکٹر مہر عبدالحق اپنی کتاب 'ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق' میں بھی اسی تاریخی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ملتانی اور سندھی کو ایک دوسرے جدا ہوئے تقریباً ساڑھے بارہ سو سال ہوئے ہیں۔۱۱۱ھجری میں تمیم بن زید کے دورِ حکومت میں ملتانی کا تعلق زیریں سندھ سے ٹوٹ گیا اور سندھی اور ملتانی دونوں زبانیں علیحدہ علیحدہ ترقی پانے لگیں۔''(۱۴)

سرائیکی زبان کے مآخذات میں دراوڑی، عربی، فارسی، سندھی، بلوچی، پشتو اور انگریزی شامل ہیں۔زیریں سندھ میں بولی جانیوالی ملتانی زبان کی تاریخ ۲۳۰۰ قبل مسیح میں دراوڑی نسل کی قدیم تہذیب میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔مغربی مفکرین اور ماہرینِ لسانیات نے بھی اس خطہ کی تاریخی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہاں کی زبان کی لسانی اہمیت کے باب میں اپنا خیالات کا اظہار کیا ہے۔ڈکشنری آف جٹکی فورویسٹرن پنجابی میں 'ایڈریو جیٹوکس' لکھتے ہیں کہ:۔

> ''مغربی پنجابی یا جٹکی زبان کے لیے بہت سے مقامی نام استعمال کیے جاتے ہیں۔ملتانی، بلوچی، پوٹھوہاری، ہزاروی، بلوچی، بہاولپوری، ڈیرے والی، شاہ پوری اور جگ والی۔یہ ساری اسی زبان کے لہجوں کے نام ہیں۔''(۱۵)

خطۂ ملتان چونکہ حملہ آوروں کے لیے انتہا کشش رکھتا تھا اس خطہ میں کچھ حملے ایسے ہیں جن کی بدولت اس خطہ کی لسانی تاریخی ہی بدل گئی۔۱۲۸ ہجری میں سندھ پر منصور بن جمہور کی حکومت تھی بعدزاں ۱۳۴ ہجری میں موسیٰ بن کعب کی، ۱۴۲ میں عمر بن حفص کی، ۱۵۱ ہجری میں ھشام کی، ۱۵۷ ہجری میں معبد بن خلیل تمیمی، ۱۵۹ ہجری میں روح بن حاتم کی۔۱۶۵ ہجری میں لیث بن ظریف، ۱۷۴ ہجری میں اسحٰق بن سلیمان، ۱۸۴ ہجری میں صفیرہ ۲۰۵ میں بشر کی، ۲۱۳ میں موسیٰ برمکی کی، ۲۲۱ ہجری میں عمران کی، ۲۲۶

ہجری میں عنبرین اسحاق، ۲۳۵ میں ہارون بن ابی خالد کی، ۲۷۰ ہجری میں عبداللہ کی اور ۳۰۳ ہجری میں ملتان میں سامہ بن لوی کے خاندان نے حکومت کی۔ یہ وہ حملے تھے جنہوں نے اس خطہ کی نہ صرف زبان بلکہ ثقافت کو بھی بے حد متاثر کیا۔ خطہ ملتان چونکہ تین اطراف سے دریاؤں میں گھرا ہوا تھا لہٰذا اس کی مقامی بولی پر دریائی خطوں کے افراد نے خاص اثر ڈالا۔ لسانی اہمیت کے باب میں پانچ دریاؤں کے سنگم پر واقع مقام ''اُچ'' کو جارج گریرسن نے اس خطہ کی لسانی اہمیت میں بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس مقام پر بولی جانیوالی بولی ''اُچّی'' کہلاتی ہے۔ اس مقامی بولی کی لسانی اہمیت کے باب میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

''Uchi the language of the town Uch is really another name for the multani dialect of Lahnda."(۱۶)

الغرض ایک ہی خطہ کی زبان جب مختلف علاقوں میں پھیلی تو ہر علاقہ کے علاقائی نام کی نسبت وہاں کی بولی کہلائی مثلاً سندھی اور عربی کے اختلاط کے بعد مقامی آبادی جو زبان ملتان میں بولتی تھی اسے ملتانی، بہاولپور میں بہاولپوری اور اُچ شریف میں اُچی کے نام سے معروف ہوئی۔ اسی طرح ڈیرہ غازی خان کے لوگ اس بولی کو 'جگد الی' جبکہ مظفر گڑھ ضلع اور اس کے گردونواح میں 'جٹکی' کے نام سے اسے 'ملتانی بولی' کہا جانے لگا۔ ماہر لسانیات اور محقق دلشاد کلانچوی اس زبان ملتانی کی وجہ شہرت سرائیکی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''ایک روایت ہے کہ مسلمان کے وادیٔ سندھ میں داخل ہونے سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں 'سراوا' شہر کو کافی اہمیت حاصل تھی۔۔۔ یہ ملی جلی زبان سروا کی قدیم اور اہم منڈی کی وجہ سے 'سروائی' کہلانے لگی اور سروائی رسم الخط میں مکمل جاتی رہی۔''(۱۷)

خطہ ملتان میں سرائیکی زبان کے بعد سب سے زیادہ بولی جانیوالی زبان 'پنجابی' ہے۔ پانچ دریاؤں کی سرزمین پنج۔آب کہلاتی ہے اور اسی لحاظ میں اس خطہ زمین پر جو ملی جلی زبان آریاؤں کی آمد سے قبل بھی اس خطہ میں بول چال کے لیے استعمال ہوتی تھی وہ 'پنجابی' ہی ہے۔ مُنڈا قبائل کے لوگ جو 'منڈاری' زبان آپسی میل جول اور بول چال میں استعمال لاتے تھے وہ بہت حد تک پنجابی سے مشابہت و مماثلت رکھتی ہے لہٰذا قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ آریاؤں کی آمد سے بہت پہلے اس خطہ کی جو ملی زبان تھی وہ باضابطہ کسی خاص نام سے تو منسوب نہیں کی جاتی تھی تاہم وہ زبان پنجابی ہی سے ملتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی اپنی جگہ بے حد اہمیت کی حامل ہے کہ پنجابی زبان کا تعلق وسطی ہند کی باقاعدہ زبانوں کے خاندان سے ہے جو کہ سنسکرت سے بے حد قریب نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں گریرسن کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:۔

''پنجابی اپنی خالص ترین شکل میں باری دو آب کے بالائی حصے میں بولی جاتی ہے۔''(۱۸)

اس زبان پنجابی کے وجہ تسمیہ پانچ دریاؤں کی سرزمین کے باعث ہے اور جیسے جیسے یہ زبان مشرق کی جانب اپنا سفر کرتی ہے تو اس پر 'ہندی' کا قابل لحاظ اثر دکھائی دیتا ہے جبکہ مغرب کی جانب یہ 'ملتانی' اور 'لہندا' کے اثرات لیے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔

اس زبان پنجابی کا ذخیرہ الفاظ زیادہ تر 'تدبھو' الفاظ پر مشتمل ہے جبکہ بہت کم 'تت سم' الفاظ اس زبان میں دخیل نظر آتے ہیں۔ اگر اس زبان پنجابی کا جغرافیائی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بجانب مشرق لاہور سے لدھیانہ تک یہ زبان اکثریتی زبان کا درجہ رکھتی ہے جبکہ لدھیانہ سے آگے جنوب مشرقی بھارتی پنجاب میں بشمول ریاست پٹیالہ، فرید کوٹ، سنگرور، نابھو سمیت ۱۳ اضلاع پر نالہ، بھٹنڈہ اور سنسام میں بھی قریباً ۸۰٪ رقبہ پر پنجابی زبان ہی بولی جاتی ہے۔ لاہور کی شمالی سمیت سیالکوٹ ریاست جموں وکشمیر سمیت صوبہ سرحد کی وہ تحصیلیں جہاں سکھوں نے آکر آبادکاری کی وہاں بھی یہ زبان پنجابی اکثریتی زبان کے طور پر بولی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی لاہور سے بطرف جنوب میاں چنوں، ریاست بہاولپور، بہاولنگر، رحیم یار خان سمیت اس سے ملحقہ تحصیلوں یزمان، حاصل پور، صادق پور اور ملتان کے بے شمار علاقے پنجابی کو بطور اکثریتی زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح لاہور سے مغرب کی جانب ضلع گجرات کے اکثر علاقوں میں پنجابی زبان کو ہی فوقیت حاصل ہے۔

جس طرح 'ملتانی' ایک ملواں زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح 'پنجابی' بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی مقامی بولیوں کی آمیزش سے وجود میں آتی ہے۔ اس زبان کے قواعدی صوتی، صرفی اور نحوی پہلو اپنا ایک منفرد تہذیبی تشخص رکھتے ہیں۔ سید احتشام حسین اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''پنجابی کی بہت سی بولیاں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پنجاب میں ہر ضلع کی بولی الگ ہے اور بعض ضلعوں میں ایک سے زیادہ بولیاں ہیں۔'' (۱۹)

خطہ ملتان میں پنجابی زبان بولنے والے افراد اس زبان کے قریباً سبھی لہجوں کو اپنی روزمرہ زندگی میں استعمال میں لاتے ہیں۔ اس خطہ میں پہاڑی، ماجھی اور شاہ پوری لہجوں سمیت لاہوری پنجابی کے بیشتر لہجے بولنے والے افراد اس خطہ کے ایک وسیع رقبے پر آباد ہیں۔ زبان کسی بھی علاقے کی شناختی علامت کے طور پر بھی ہمارے سامنے آتی ہے۔ خطہ ملتان چونکہ ایک طویل عرصے تک سکھوں اور ہندوؤں کی مذہبی آماجگاہ بھی رہا ہے۔ اس حوالے سے سکھ یاتریوں نے خصوصاً اس خطہ میں پنجابی زبان پر دیرپا اثرات چھوڑے ہیں۔ سکھوں کے اکثر خاندان جب ہجرت کر کے اس خطہ میں آکر آباد ہوئے تو یہ اپنے ساتھ اپنی مذہبی زبان 'پنجابی' کو بھی ساتھ لائے۔ اس زبان کے بولنے والے افراد مقامی آبادی اور دیگر ہجرت کرنے والے قبائل کے ساتھ آپس کے میل جول اور خرید وفروخت کے لیے جو زبان استعمال کرتے تھے وہ منڈاری کے ساتھ ساتھ 'پرانی پنجابی' ہی تھی۔ ہجرت کرنے والے افراد اگرچہ پنجابی لکھنے کے لیے 'دیوناگری' رسم الخط استعمال میں لاتے ہیں جبکہ مقامی افراد اور بالخصوص پاکستان کے دیگر علاقوں سے ترکِ ہجرت کرنے والے افراد 'فارسی' رسم الخط کا ہی استعمال کرتے تھے اور آج بھی ان دونوں ممالک میں یہی رسوم الخط ہی پنجابی زبان کے لیے رائج ہیں۔ تاہم پنجابی زبان کا ذخیرہ الفاظ منڈاری زبان سے بہت حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ اس زبان کے بارے میں دستاویزی ثبوت اشلوکوں اور بھجنوں کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ خطہ ملتان کی کھدائی کے دوران برتنوں پر جو تحریریں سامنے آئی ہیں ان پر بھی پنجابی زبان کے اشعار اور بھجن کندہ ہیں۔ جہاں تک سوال مذکورہ خطہ ملتان میں پنجابی زبان کی قدامت کا ہے تو یہ زبان بھی ملواں زبان کی صورت میں اس خطہ کی قدیم ترین زبان کے ساتھ ساتھ ہی اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق پنجابی زبان کی اصل کے باب میں بیان کرتے ہیں کہ:۔

''پنجابی زبان دو بالکل مختلف بولیوں کے باہم امتزاج سے بنی ہے۔ایک قدیم پیاچہ بولی جو اس وقت مغربی پنجاب کی لہندا کے شمال میں بولی جاتی ہے اور دوسری مدھیہ دیش (Mid-land) کی وہ پراکرت جس سے مغربی ہندی نے جنم لیا، پنجابی مشرقی پنجاب کی بولی ہے۔''(۲۰)

جہاں تک پنجابی زبان کے بارے میں شہادتوں کا بیان ہے تو بے شمار عرب اور یونانی سیاحوں کے بیان اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ پنجابی کو مشرقی اور مغربی پنجابی میں تقسیم کیا گیا ہے جبکہ لہندا اور پنجابی میں اشتراک وانجذاب کے باوجود ان دونوں زبانوں کے مابین امتیازات تلاش کرنا خاصا مشکل کام ہے۔جارج گریرسن نے پنجابی زبان کو اندرونی دائرہ کی زبان قرار دیا ہے جبکہ اس میں دردئی اور منڈاری زبانوں کے اثرات بھی باآسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔یہ زبان مغرب میں دریائے سندھ کے وسطی میدان سے لے کر بطرف مشرق دریائے ستلج اور اس کے پہاڑی سلسلوں کے ساتھ ساتھ وادیٔ سندھ کے قدیم ترین خطہ ملتان تک بولی اور سمجھی جاتی ہے جبکہ خالص پنجابی دریائے راوی اور ستلج کے میدانی علاقوں میں بولی جانے والی اکثریتی زبان ہے اور اس کی اصل شوریسنی پراکرت ہے۔اس زبان کے بارے میں جان بیمز لکھتے ہیں کہ:۔

''پنجابی درحقیقت ہندی کی ایک بولی کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور غالباً سوراسینی پراکرت سے نکلی ہے لیکن ایک الگ رسم الخط لکھنے کی وجہ سے مختلف زبان تسلیم کی جاتی ہے۔''(۲۱)

پنجابی زبان چونکہ نہ صرف خطہ ملتان بلکہ پورے ہندوستان میں اپنی ایک منفرد اور مخصوص پہچان رکھتی ہے۔گریرسن اور دوسرے لسانی محققین نے اس کو قدیم ترین زبانوں میں شامل کرنے پر اصرار کیا ہے۔یہ زبان دُردی اور پشاچی زبانوں کے بہت سے الفاظ سے بھی اپنا لسانی ماحول زندہ رکھے ہوئے ہے جبکہ ساتھ ہی ساتھ اس زبان میں دراوڑی زبانوں کے اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں:۔

''کچھ لوگ ایسے ہیں جو مرکب تیار کرنے والی زبانوں میں سے ایک زبان (مثلاً پنجابی، ہریانی، برج) پر زور دیتے ہیں۔''(۲۲)

تاہم ہریانوی زبان کی قدامت اور اس پر دیگر زبانوں کے اثرات کی بازگشت بھی اپنی جگہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔مگر ہند آریائی زبانوں میں اس زبان کا شمار انتہائی اہمیت رکھتا ہے جبکہ گریرسن اس زبان کو مغربی ہندی کی بولیوں قنوجی اور بندیلی کے ساتھ کھڑا کرتا ہے:

''ہریانی کو انگریزی اور ہندی کی لسانیات کی کتابوں میں بانگڑو کہا جاتا ہے۔صرف اردو والے ہریانی کہتے ہیں۔ہانسی کی ہریانی کو معیاری زبان مان سکتے ہیں۔ہریانی پر پنجابی اور راجستھانی کا شدید اثر ہے۔''(۲۳)

اس خطہ ملتان میں جہاں عربی، فارسی، سندھی، وارچڈ، اپ بھرنش، مکرانی اور علاقائی بولیوں کے اثرات واضح طور پر نظر

آتے ہیں وہیں شمال مشرقی ومغربی ہندوستان کی قدیمی بولی ہریانی (جس کو جاٹو یا بانگڑو کے علاقائی نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) بھی اپنا ایک جداگانہ تشخص رکھتی ہے۔ان مقامی بولیوں کی لسانی تشکیل کے باب میں یہ اقتباس بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

''اردو کے آغاز کی بحثوں کے سلسلے میں جس کے نتیجے میں اردو کی بولیوں کا ذکر پراکرتوں اور اُن کی اصل کی بحثوں میں اُلجھ جاتا ہے۔بعض کے نزدیک ان علاقوں (شمال مشرقی اور شمال مغربی ہند اور ملحقہ علاقے) کی بعض بولیاں مثلاً برج بھاشا، بندیلی، قنوجی، کھڑی بولی اور ہریانی مغربی ہندی سے نکلی ہیں''۔(۲۴)

خطہ ملتان میں ہریانوی زبان کے خدوخال دہلی کے شورش زدہ علاقوں سے افراد کی ہجرت کے ساتھ ہی شروع ہوجاتے ہیں۔ہریانوی کھڑی بولی سے قریب تر ہے یا نہیں اس جائزے میں لسانی محققین کسی ایک کروٹ دیکھائی نہیں دیتے تاہم کسی بھی طرح اس زبان کے وجود اور اس کی لسانی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔بعدازاں یہ بحث شروع ہوئی کہ اس زبان کے لیے کیا نام مناسب ہے تو اس ضمن میں زیادہ قیاس علاقے کی مناسبت سے ہی کیا جاتا ہے:

''پہلے یہ طے کریں کہ ہریانی اور میواتی کھڑی بولی سے قدیم تر ہیں۔یہ دونوں یقیناً کم ترقی یافتہ ہیں۔ہریانی کی تشکیل کھڑی بولی سے پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔حافظ محمود شیرانی کی طرح ڈاکٹر مسعود حسین خان کو بھی ہریانی یعنی بانگڑو بولی کی نوعیت کا اندازہ نہیں۔''(۲۵)

بعدازاں دہلی کے شورش زدہ علاقوں کے افراد نقل مکانی کرتے ہوئے نہ صرف قریبی علاقوں بلکہ دریائے راوی اور سندھ کی ساحلی پٹی پر بھی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں وارد ہوئے اور یوں اُن کی نقل مکانی مزید وسعت اختیار کرتے ہوئے بلآخر خطہ ملتان اور اس کے مضافاتی علاقوں تک پھیل گئی۔یہ افراد اپنے ساتھ اپنی زبان بھی ان علاقوں میں ساتھ لائے اور آپس میں بات چیت کے لیے اُسے استعمال میں لانے لگے اور ساتھ ہی ساتھ اس علاقے کے مقامی افراد سے میل جول کے لیے انہوں نے اُن کی زبان بھی آہستہ آہستہ سیکھنی شروع کی۔شمال کے حملہ آوروں نے جب دکن پر حملہ کیا تو اُن کے ساتھ اُن کی زبان بھی حملہ آور ہوئی اور یوں ہریانی اپنے پرانے اور علاقائی ڈیل ڈول کے ساتھ نہ صرف دکن بلکہ نواح دہلی دہلی میں بھی پھیل گئی:

''قدیم دکنی زبان کے مطالعہ کے سلسلے میں اب تک ہریانوی کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔حالانکہ یہی زبان ہے جو قطع نظر شہر دہلی، ضلع دہلی میں آج بھی بولی جاتی ہے۔''(۲۶)

گریرسن نے اپنے 'لسانیاتی جائزہ ہند' میں راجستھانی اور پنجابی کی آمیزش سے پیدا ہونے والی زبان کو قنوجی، بندیلی اور ہریانوی کے ناموں سے پکارا ہے چونکہ یہ زبانیں صوتی اور لسانی طور پر بھی ایک دوسرے سے خاصی قریب دیکھائی دیتی ہیں۔تاہم یہ بات بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ گریرسن کے اس جائزہ میں بھی اختلاف کی گنجائش موجود ہے:

''گریرسن موجودہ ہریانوی کو کھڑی بولی (ہندوستانی) ہی کی ایک شکل مانتا ہے۔جس مین راجستھانی اور پنجابی بولیوں کی آمیزش پائی جاتی ہے۔''(۲۷)

ہریانوی زبان کی قدامت کے باب میں بھی لسانی محققین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ زبان کا قدیم ہونا اس قدر اہمیت کا حامل نہیں ہے جتنا کہ اُس زبان کا اپنی بقا کو آج کے کثیر السانی دور میں زندہ رکھنا۔ دہلی کے مغربی اضلاع میں چونکہ جاٹ اور راجپوت خاندان مسلسل برسرِ پیکار رہتے تھے لہذا یہاں انہی خاندانوں کا اثر ورسوخ زیادہ تھا اس سبب سے یہاں ہریانوی دیگر علاقائی ناموں سے بھی پکاری جاتی رہی ہے۔ ہریانہ چونکہ ریاست راجستھان میں کبھی صوبہ اور کبھی ضلع کی حیثیت میں شامل رہا لہذا اسی علاقہ کی مناسبت سے اس علاقائی بولی کے لیے بطور زبان 'ہریانوی' کا لفظ زیادہ موزوں نظر آتا ہے:

''دہلی کے شمال مغربی اضلاع کرنال، رہتک، حصار وغیرہ کی بولی (ہریانی، بانگڑو یا جاٹو) ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ لیکن اس کا نام ہریانی زیادہ موزوں ہے۔ ہریانہ مسلم عہد سے بھی قبل کا نام ہے۔''(۲۸)

جہاں تک سوال اس بحث کا ہے کہ ہریانی اُردو سے پہلے یا بعد کی زبان ہے تو زبانوں کے باہم اختلاط وارتباط کے بعد اس بات کا تعین کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ اُردو کے بہت سے الفاظ انگریزی زبان میں بھی مستعمل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس سے اُردو زبان کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ دراصل دیکھنا یہ ہوتا ہے مذکورہ زبان کی صوتی ولسانی مشابہت کہاں جا کر دوسری زبان سے میل کھاتی ہے:

''اس بات کو صاف طور پر واضح کرنا پڑے گا کہ ہریانی زبان کی پیدائش اُردو کی پیدائش کے بعد عمل میں آئی اور اگر قدیم دکنی اردو کی بعض خصوصیات ہریانی زبان سے ملتی جلتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اردو ہریانی سے بنی بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اُردو اور ہریانی دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔''(۲۹)

ہریانوی کا ادبی سرمایہ زیادہ تر بانگڑو یا جاٹو میں موجود ہے۔ اس زبان کے لہجوں کے مابین فرق چند میل کے فاصلے پر ہی نمایاں ہو جاتا ہے۔ گریرسن اور دیگر کئی لسانی محققین ہریانی کا تعلق مغربی ہندی سے بتاتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ اس خیال کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا۔ خطہ ملتان میں ہریانی زبان اپنے خط وخال دیگر علاقائی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ مناسب انداز میں وضع نہ کر سکی۔ اس کے اسباب میں ادبی سرمایہ کا فقدان، کم ذخیرہ الفاظ اور ساتھ ہی ساتھ اِس زبان کے بارے میں یہ تعصب بھی کہ یہ گنوار اور اَن پڑھ افراد کی بولی ہے، بھی شامل ہیں۔ تاہم حقیقت اس کے برعکس ہے:

''عبوری دور کی اردو کو گریرسن وغیرہ علماء قدیم ہندی کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مغربی ہندی کسی خاص جانی پہچانی زبان کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی علاقے کی بولی جانیوالی زبان نہ تھی۔ اُردو برج، ہریانی، قنوجی، بندیلی کا مشترک لسانی سرمایہ مغربی ہندی ہے۔ یہ ایک طرح کی فرضی زبان ہے۔''(۳۰)

جبکہ اس سے بھی زیادہ توجہ طلب نظریہ پروفیسر مسعود حسین خان کا ہے جو اُردو زبان کی ابتدائی تراش خراش میں ہریانوی کا قابلِ لحاظ اثر سمجھتے ہیں جبکہ پروفیسر مسعود حسن خان کے اس نظریے کے جواب میں کہ پرانی ہریانی بھی اُن زبانوں میں سے ایک

ہے جو اردو زبان کا ابتدائی ہیولا تیار کرنے میں مصروف کار رہی ہوگی۔اس پر ڈاکٹر خورشید حمر اصدیقی لکھتے ہیں کہ:

''فی الحال اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ جب نواح دہلی کی بولیاں (برج، ہریانی اور کھڑی بولی) مسلمانوں کی فتح دہلی کے بعد کا ارتقاء ہیں تو پھر اُن کی مُڈ بھیڑ پرانی ہریانی اور پرانی کھڑی بولی سے کیسے ہو گئی۔''(۳۱)

اگر چہ ہریانوی زبان نواح دہلی میں باقاعدہ اپنا اثر جما چکی تھی لیکن اس کے باوجود یہ زبان سندھ، پنجاب اور خصوصاً اس خطہ ملتان میں وہ مقام تو حاصل نہ کر سکی مگر لسانیات کے چند محققین بشمول مسعود حسین خان، محی الدین قادری زور سمیت اس بات پر مُصر نظر آتے ہیں کہ اُردو کی لسانی تشکیل میں اس زبان ہریانی نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ یہ زبان ذخیرہ الفاظ اور لسانی ساخت میں دیگر باقاعدہ اور ترقی یافتہ زبانوں سے کسی بھی طرح کم درجہ نہیں رکھتی لہذا اس کا اُردو کی لسانی تشکیل میں ایک قابل قدر حصہ نظر آتا ہے:

''یہاں ایک اور بات مدِنظر رکھنی چاہیے کہ اردو پر بانگڑو یا ہریانی زبان کا بھی قابل لحاظ اثر ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زبان دہلی کے شمال مغرب میں انبالہ کے اطراف اُس علاقے میں بولی جاتی ہے جو پنجاب سے دہلی آتے ہوئے راستے میں واقع ہے اور دہلی پر حملہ کرنے والوں یا وہاں کے حکمرانوں کے ہمراہ اسی علاقے کے رہنے والے بہیر و بنگاہ کی حیثیت سے دہلی اور اس کے نواح میں آ کر آباد ہوئے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح اور مفتوح کے میل جول سے جو زبان بنتی چلی آ رہی تھی اس میں ہریانی عنصر بھی شامل ہوتا چلا گیا۔''(۳۲)

ہریانوی زبان خطہ ملتان میں اکثریتی زبان کا درجہ تو حاصل نہ کر سکی تاہم اردو، پنجابی، سندھی اور ملتانی زبان کی ترویج و ترقی میں اس زبان نے زرخیز کردار ادا کیا ہے۔خطہ ملتان میں ہریانوی کے خدوخال معروض اور عصر حاضر کی معدوم ہوتی ہوئی بولیوں میں سے کسی بھی زبان کے زندہ ہونے کا واحد ثبوت ہے۔جیسے جیسے انسان مہذب ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے وہ مہذب معاشروں کی زبان سے بھی مغلوب ہوتا دیکھائی دیتا ہے۔تاہم زبانوں کے مہذب ہونے اور بولی سے ایک شستہ اور شائستہ زبان کا درجہ حاصل کرنے تک کے اس سفر میں ہریانوی اور اس طرح کی دیگر چھوٹی چھوٹی قبائلی اور علاقائی بولیاں بھی آج کی مہذب زبان کو مہذب تر بنانے میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں۔جس طرح عمارت کی اصل مرکز پر مرکوز ہوتی ہے بالکل اسی طرح کوئی بھی مقامی بولی یا تحتی لہجہ معیاری یا غیر معیاری تو ہو سکتا ہے مگر بے سود ہرگز نہیں۔جہاں تک سوال خطہ ملتان میں بولی جانیوالی قومی زبان اُردو کے باب میں ہے تو اس ضمن میں 'پنجاب میں اُردو' کے خالق حافظ محمود شیرانی کہتے ہیں کہ:۔

''جب ہم اُردو کے ڈیل ڈول، اس کی ساخت اور وضع قطع کو دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور ہے اور برج بھاشا کا رنگ اور ہے دونوں کے قواعد و اضوابط و اصول مختلف ہیں''(۳۳)

جہاں تک سوال اُردو زبان کے صوتی وصرفی قواعد میں دیگر زبانوں کے الفاظ ومحاورات میں باہم مماثلت کا ہے تو یہ بات اپنی جگہ بے حد اہمیت رکھتی ہے کہ اس زبان کے صوتی قواعد زیادہ تر فارسی قواعد کے قریب تر دیکھائی دیتے ہیں۔عربی زبان کی بیشتر الفاظ اس کے ذخیرہ الفاظ میں اضافے کا باعث ہیں لہذا اس کے صرفی قواعد میں بھی عربی زبان کے قاعدے دیکھنے میں آتے ہیں۔خطہ ملتان میں چونکہ ملتانی زبان کو اس خطہ کی قدیم زبان ہونے کا شرف حاصل ہے لہذا اس کے مقامی زبان ہونے کے ناطے سے اُردو زبان پر اس کے اثرات پڑنا ایک یقینی امر ہے۔خطہ ملتان کا پنجاب میں شامل ہونا بھی اس خطہ کی لسانی زرخیزی کی ایک بنیادی وجہ قرار پاتا ہے۔چونکہ اس خطہ میں پنجابی زبان کے بولنے والے افراد بھی کثرت میں آباد رہے۔لہذا ملتانی زبان اور پنجابی بولنے والے افراد نے آپس میں بات چیت کے لیے ایک بیچ میل قسم کی زبان کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا ہوگا۔اُردو پر ملتانی زبان کے اثر ومماثلت کے باب میں حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں کہ:۔

'' اُردو برج بھاشا کے مقابلے میں پنجابی بالخصوص ملتانی سے مماثلت مرتبہ رکھتی ہے''(۳۴)

خطہ ملتان کی نمایاں زبانوں ہریانوی،سرائیکی،پنجابی اور اُردو کے تحقیقی مطالعے کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ یہ تمام تر زبانیں جہاں لسانی،لسانیاتی اور صوتی وصرفی قواعد میں آپس میں گہری مماثلت رکھتی ہیں وہیں ان زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں ایک دوسرے کے بے شمار الفاظ ومحاورات بھی ہو بہو شامل ہیں۔حتیٰ کہ مشترکہ الفاظ کے معنی میں بھی بہت حد تک یکسانیت موجود ہے۔اسی قسم کے خیالات کا اعادہ جہاں حافظ محمود شیرانی،ڈاکٹر مسعود حسن خان اور ڈاکٹر عندلیب شاوانی کرتے دیکھائی دیتے ہیں وہیں لسانیات پاکستان کے مصنف بھی اس باب میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:۔

''ڈاکٹر مسعود حسین خان اُردو کا رشتہ ہریانی سے ملاتے ہیں جو دہلی کے شمال مغربی اضلاع میں مروج تھی۔ بہرحال اگر اُردو کا رشتہ بھاشا،کھڑی بول اور ہریانی سے ملایا جا سکتا ہے تو اسی کا تعلق وادی سندھ کی زبانوں کے ساتھ بھی بہت گہرا ہے۔وادی سندھ کی زبانوں کا ایک طرف آپس میں لسانی اور معنوی تعلق ہے تو دوسری طرف اُردو سے بھی ان کا قریبی رشتہ ہے۔اُردو برج بھاشا سے تعلق ہو یا پنجاب سے،ہریانی سے وجود میں آئی ہو یا کھڑی بولی کی بہن ہو،سندھ اس کی جائے پیدائش ہو یا دہلی،دکن میں اِس نے پرورش پائی ہو یا شمال ہند میں بہرحال یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اُردو آریائی زبان ہے اور اس میں دراوڑی زبانوں کی باقیات بھی موجود ہیں۔وادی سندھ کی زبانوں کی بھی یہی کیفیت ہے''۔(۳۵)

وادی سندھ میں شامل خطہ ملتان کی مقامی بولیوں اور اُردو کے درمیان نہ صرف لسانی بلکہ معنوی تعلق بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خط لسانی ارتقاء کے باب میں انتہائی زرخیزی کا حامل رہا ہے۔اس خطہ میں اُردو زبان بولنے والے افراد بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں جن کے طرز زندگی نے بھی یہاں کی مقامی بولیوں پر دوررس اثرات مرتب کیے ہیں۔

خطہ ملتان میں بولی جانیوالی علاقائی زبانوں کے سروے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس خطہ میں سرائیکی زبان ۵۵٪، پنجابی ۲۳٪،اردو ۱۵٪ جبکہ دیگر زبانیں بولنے والے افراد کی تعداد ۸٪ فی صد ہے۔اس سروے رپورٹ کو سامنے رکھتے ہوئے اس

خطہ کی ثقافت بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی ثقافتی اکائیوں سے باہم مل کر ترتیب پاتی ہے۔ اگر صوبائی سطح پر اس اعداد وشمار کو دیکھا جائے تو صوبہ پنجاب کے ۹ جنوبی اضلاع میں سرائیکی بولنے والے افراد کا تناسب ٪۵۲ ہے جبکہ پنجابی زبان کے لیے یہ تناسب ٪۲۸ تک جا پہنچتا ہے جو اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ خطہ لسانی اہمیت کے باب میں بے حد زرخیزی کا حامل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مہر عبدالحق، ڈاکٹر، ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق''، ص ۱۰۲

۲۔ ایڈریو جیٹو کس، ''اے ڈکشنری آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی''، ۱۹۰۰ء، ص ۲۷

۳۔ علی بن عثمان، ہجویری، ابوالحسن سید، 'کشف المحجوب'، مترجم: محمد حسین منظر، ملک دین محمد سنز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۲۸ء، ص ۱۱۳

۴۔ ابنِ حنیف، 'سات دریاؤں کی سرزمین'، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷

۵۔ سجاد حیدر پرویز، 'ملتانی'، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، 'تاریخ ادب اُردو'، جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۶۷۲

۷۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، 'ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل اور دوسرے مضامین'، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول ۲۰۰۴ء، ص ۳۰، ۲۷

۸۔ عبدالحق، مولوی، 'قواعدِ اُردو'، لاہور اکیڈمی، سن ندارد، ص ۷

۹۔ لسانی مقالات (حصہ دوم)، مرتبہ: سید قدرت نقوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، اگست ۱۹۹۸ء، مشمولہ ماہ نو کراچی، جون ۱۹۶۴ء

۱۰۔ ڈیوڈ کرسٹل، 'لسانیات کیا ہے؟' مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان، نگارشات، ۳ ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۲۸

۱۱۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، 'اُردو لسانیات'، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ (انڈیا)، ۲۰۰۰ء، ص ۲۵

۱۲۔ اُردو زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں، نرزا خلیل احمد بیگ، مشمولہ مجلّہ 'تحقیق'، شمارہ ۱۸، سندھ یونیورسٹی جام شورو، ۲۰۰۹ء، ص ۴۹

۱۳۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، 'عمومی لسانیات'، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱

۱۴۔ مہر عبدالحق، ڈاکٹر، ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق''، ص ۱۰۲

۱۵۔ ایڈریو جیٹو کس، ''اے ڈکشنری آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی''، ۱۹۰۰ء، ص

۱۶۔ George Greison, Linguistic Survey of India, Govt. of India, Press Calcutta, 1919, Vol-IX, Part-1, P-614

۱۷۔ دلشاد کلانچوی، ''سرائیکی لسانیات''، ص ۲۸، ۲۹

۱۸۔ **جارج گریرسن، "لنگواسٹک سروے آف انڈیا"، گورنمنٹ آف انڈیا پریس، کلکتہ، ۱۹۱۳ء، جلد پنجم، ص ۶۰۸**
۱۹۔ احتشام حسین، سید، ''ہندوستانی لسانیات کا ناکہ''، دانش محل، لکھنؤ، ۱۹۴۸ء، ص ۱۷۰
۲۰۔ **مہر عبدالحق، ڈاکٹر، "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق"، ص ۳۶**
۲۱۔ جان بیمز، ''ہندوستانی لسانیات کا خاکہ''، مترجم احتشام حسین، دانش محل، لکھنؤ، مارچ ۱۹۴۸ء، ص ۸۷
۲۲۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، 'لسانی مطالعے'، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی (انڈیا)، ۱۹۹۱ء، ص ۶۹۔۷۰
۲۳۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، 'عام لسانیات'، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ویسٹ بلاک، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۸۷۰
۲۴۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، 'پاکستانی زبانیں، تحتی بولیاں اور قومی یک جہتی'، مشمولہ 'تحقیق' شمارہ ۱۶، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۲۰۰۸، ص ۵۴
۲۵۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، 'لسانی مطالعے'، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی (انڈیا)، ۱۹۹۱ء، ص ۸۵۔۸۴
۲۶۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر، 'مقدمہ تاریخ زبانِ اُردو'، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ (انڈیا)، ۱۹۹۰ء، ص ۲۳۶
۲۷۔ گریرسن، جارج، 'لسانیاتی جائزہ ہند، حصہ اول (جلد ہفتم)، ص ۳۵۲
۲۸۔ 'ہریانوی زبان میں تالیفات' از حافظ محمود شیرانی مشمولہ اورینٹل کالج میگزین، جلد ہفتم، ۱۹۳۷ء
۲۹۔ اُردو کی ابتدا، مشمولہ اُردو لسانیات، مرتبہ فضل حق، ۱۹۸۱ء، ص ۵۵
۳۰۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، 'اُردو لسانیات'، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ (انڈیا)، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹
۳۱۔ حمرا صدیقی، خورشید، 'اُردو زبان کا آغاز۔۔۔ مختلف نظریے اور حقائق، ریڈر شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں کشمیر، ۱۹۹۳ء، ص ۵۵
۳۲۔ محی الدین، قادری، زور، ڈاکٹر، 'ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب، اردو بازار، لاہور، طبع سوم، جنوری ۱۹۶۱ء، ص ۱۱۶
۳۳۔ محمود شیرانی، حافظ، ''پنجاب میں اردو''، مکتبہ معین الادب، لاہور، طبع چہارم، س ن، ص ۲۷
۳۴۔ پنجاب میں اُردو، ایضاً ص ۹
۳۵۔ میمن، عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، ''لسانیات پاکستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۱، ص ۴۱